سید محمد محسن اور اُن کا منظوم ترجمہ قرآن: ایک تنقیدی مطالعہ

محمد سعید شیخ*

Abstract

Sayyid Muḥammad Moḥsin was Lucknow based poet. The biographers, though, seem unaware of his life and poetic profile. He did interpretative translation of the Holy Qur'ān in Urdu in Mathnavī form with the title of 'Manẓūm Urdu Tarjama'. This translation was published from Lucknow in 1986. The translation in poetic form asks for technicalities which this work lacked perhaps.

This article surfaces errors which were identified in areas of poetic exposition, concept formation and stylistic coherence in the translation work.

KEYWORDS: *Qur'ān, Versified Translations of Qur'ān, Translations of Qur'ān in Poetic form, Sayyid Muḥammad Moḥsin, Manẓūm Urdu Tarjama.*

مولانا سید محمد محسن کے والد کا نام مولانا سید محمد کاظم اور دادا کا نام سید نجم الحسن تھا۔ سید محمد محسن شیعہ کالج لکھنؤ میں لیکچرار شعبۂ دینیات تھے اور کولکاتا کی مسجد بصراوی کے امام جمعہ وجماعت تھے۔ تلاشِ بسیار کے باوجود راقم سطور مولانا سید محمد محسن کے سوانحی خاکے سے تاحال لاعلم ہے۔ اِن کے ترجمے کے بارے میں تذکرہ ضرور ملتا ہے، مگر ان کے حالاتِ زندگی کے حوالے سے کوئی تحریر یا مقالہ دست یاب نہیں ہو سکا ہے۔ راقمِ مقالہ نے لکھنؤ میں عزیزم مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی مدرس ندوۃ العلما لکھنؤ کے توسط سے مولانا محمد محسن کی فیملی کے بعض افراد سے متعدد بار رابطے کیے، مگر تاحال تمام کدوکاوش بے سود رہی، لیکن امید کا دِیا روشن ضرور ہے۔

اشاعت ترجمہ

سید محمد محسن کے ترجمے کی اشاعت مطبع نظامی لکھنؤ سے ہوئی، جب کہ اسے مجاہد بک ڈپو لکھنؤ نے پیش کیا۔

* ڈاکٹر محمد سعید شیخ، اسسٹنٹ پروفیسر، ماڈرن سنٹر آف ایکسیلنس ان اسلامک اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور، بہاول پور۔

کوئی باقاعدہ پرنٹ لائن نہیں ہے، جہاں اس کے سالِ اشاعت کی وضاحت ہو، البتہ بعض نظم نگاروں نے قطعۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۹۸۶ء برآمد ہوتا ہے، ڈاکٹر رئیس نعمانی نے بھی انھی شواہد کی روشنی میں اس کی اشاعت کا سال ۱۹۸۶ء لکھا ہے[۱] مگر صفحہ نمبر ۳ پر گورنر مغربی بنگال کے تاثرات میں ۱۱/ ستمبر ۸۷ء درج ہے۔ ممکن ہے کہ یہ سہوِ کتابت ہو کہ اکثر وبیشتر تقریظ نگاروں کے نام کے ساتھ ۱۹۸۶ء کا اندراج ہے، مزید برآں تاریخی قطعات سے بھی ۱۹۸۶ء برآمد ہوتا ہے۔ بہر حال ''منظوم اُردو ترجمہ'' کی اشاعت ۱۹۸۶ء میں ہوئی ہے یا پھر ۱۹۸۷ء میں۔

تعارفِ ترجمہ

جلد پر عنوان ''اُردو منظوم ترجمۂ قرآن مجید'' لکھا ہے، جب کہ سرورق پر ''قرآن مجید مع منظوم اُردو ترجمہ'' درج ہے۔ ابتدائی ۸ صفحات تقریظوں، تبصروں، تاثرات، قطعاتِ تاریخ، پاروں اور سورتوں کی فہرست کے لیے مختص ہیں، تمام تبصرے اور تقریظیں مختصر ہیں جو دو دو چار چار سطروں پر مشتمل ہیں۔ ان تقریظ نگاروں میں پروفیسر سید نور الحسن، سید سبطِ رضی، پروفیسر حیدر حسین، سید محمد عبادت، سید کلبِ صادق، سید محمد ذکی، سید حمید الحسن، آغا سید محمد موسوی، مرزا محمد اطہر، مرزا محمد اشفاق اور آغا محمد باقر شامل ہیں۔ قطعاتِ تاریخ صفی اختر تقوی اور حسن عباس حسن کے نتیجۂ فکر ہیں۔ اِن آٹھ صفحات کے بعد صفحات کے نمبر از سر نو شروع ہوتے ہیں جو ۹۳۳ تک جاتے ہیں، یوں ''منظوم اُردو ترجمہ'' کے صفحات کی مجموعی تعداد ۹۴۱ بنتی ہے۔ ہر صفحہ تین کالموں میں منقسم ہے: اوّل میں متنِ قرآن ہے، دو کالموں میں شعری ترجمہ آمنے سامنے مصرعوں کی صورت میں ہے، متن میں آیات کے نمبر ہیں نہ منظوم ترجمے میں، اِس میں مطلوب آیت یا اُس کے مفہوم تک رسائی دیگر منظوم ترجموں کی نسبت قدرے مشکل ہے۔ خال خال آیات کے ترجمے پر موضوع کی نسبت سے عناوین بھی قائم کیے گئے ہیں۔

مدت تالیف

''منظوم اُردو ترجمہ'' میں نظم نگار نے کہیں یہ وضاحت نہیں کی کہ انھوں نے منظوم ترجمے کا آغاز کب کیا اور یہ کام پایۂ تکمیل کو کب پہنچا؟ البتہ پروفیسر حیدر حسین کاظمی نے اپنے تاثرات میں یہ وضاحت ضرور کی ہے کہ فاضل نظم نگار کو منظوم ترجمہ کرنے میں دو سال سے کم عرصے کا وقت لگا ہے۔[۲]

تعدادِ اشعار

بعض تقریظ نگاروں نے اشعار کی تعداد ۲۴ ہزار لکھی ہے، جب کہ بعض تقریظ نویسوں نے ۲۵ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔ ہر صفحے پر اشعار کی تعداد ۲۵ سے ۳۰ ہے، اگر ۲۵ کو ۹۳۳ سے ضرب دیں تو ۲۳۳۲۵ جواب آتا ہے اور اگر ۳۰ کو ۹۳۳ سے ضرب دیں تو ۲۷۹۹۰ جواب آتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہر صفحے پر تیس اشعار نہیں ہیں، البتہ ایک محتاط

اندازے کے مطابق ۲۴ سے ۲۵ ہزار کے درمیان اِس میں اشعار ضرور ہوں گے۔

صنف ترجمہ

"منظوم اُردو ترجمہ" تفسیری ترجمہ ہے، اس میں لفظ بہ لفظ پابندی نہیں ہے۔ اصنافِ سخن میں سے مثنوی ہیئت میں ہے اور نظم نگار نے اس کے لیے بحر متقارب مزحف کو منتخب کیا ہے، جس کا وزن ہے: فعولن فعولن فعولن فعل۔

ماخذ ترجمہ

"منظوم اُردو ترجمہ" کے بہ نظر عمیق مطالعے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس کا تخلیق کار عربی سے نا آشنا تھا، اُس نے براہِ راست عربی متن سے ترجمہ کرنے کی بجائے اُردو نثری ترجمے کو نظم کا قالب بخشا ہے۔ نظم نگار نے اپنے ترجمے میں کہیں یہ وضاحت نہیں کی کہ ترجمہ کرتے ہوئے اُن کے پیش نظر کون سے اُردو تراجم تھے۔ راقم مقالہ ہٰذا اس ترجمے کے عمیق مطالعے کے بعد اِس نتیجے پر پہنچا ہے کہ فاضل مترجم کا سب سے بڑا آخذ مولانا حافظ سید فرمان علی کا نثری ترجمہ ہے۔ اس کے کئی داخلی شواہد بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ القصص کی آیت:۱۶ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَلَهٗ اِنَّهٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ کا ترجمہ سید فرمان علی نے تمام اُردو مترجمین سے ہٹ کر کیا ہے۔ عام نثری مترجمین اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

> "پھر دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، تو مجھے معاف فرما دے، اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے" (۳)

یہ دعائیہ جملے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت کہے تھے، جب اُن کے ہاتھوں نادانستہ ایک قبطی کا قتل ہو گیا تھا، اگرچہ ارادۂ قتل نہ تھا، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اِس پر ندامت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ جب تک اُسے قتل کا حکم نہ دیا جائے وہ قتل کرے۔ (۴) اِس آیت کے ترجمے میں حافظ فرمان علی نے عام مترجمین سے ہٹ کر مغفرت کا ترجمہ طلبِ معافی کی بہ جائے "پوشیدہ رکھنا" کیا ہے، ملاحظہ ہو:

> "(پھر بارگاہِ خدا میں) عرض کی پروردگارا بے شک میں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا (کہ اس شہر میں آیا) تو تو مجھے (دشمنوں سے) پوشیدہ رکھ، غرض خدا نے انھیں پوشیدہ رکھا، اس میں تو شک ہی نہیں کہ وہ بڑا پوشیدہ رکھنے والا مہربان ہے" (۵)

تقریباً یہی مفہوم سید محمد محسن نے اپنے منظوم ترجمے میں بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو:

کہا پھر یہ موسیٰ نے پروردگار	ستم میں نے خود پر کیا کردگار
بچانے کی خاطر مرے یہ خبر	چھپا دے اسے مالکِ بحر و برّ

تو خالق نے اس کو چھپا بھی دیا — یہ لطف و کرم اُس نے اِن پر کیا
تو پوشیدہ رکھنے ہے والا خدا — اور اس بات میں کچھ نہیں شک کی جا[٦]

مغفرت کا یہ ترجمہ درست بھی مان لیں اور **فَغَفَرَ لَهٗ** کا مفہوم "خدا نے انھیں پوشیدہ رکھا" یقین کر لیں تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو اِس معاملے کو پوشیدہ رکھا، لیکن اگلے دن ہی یہ راز تو افشا ہو گیا۔ کیا اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر حرف نہیں آتا۔ سید فرمان علی اور سید محمد محسن کے ترجموں میں بڑی حد تک مطابقت اس بات کا ثبوت ہے کہ ثانی الذکر نے اوّل الذکر کے ترجمے کو سامنے رکھ کر اپنا ترجمہ نظم کیا ہے۔ اِس کا مزید ثبوت کہ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ[٧] کا قائل جمہور مفسرین کے نزدیک بنی اسرائیلی تھا[٨]، جب کہ سید فرمان علی نے اِس قول کا قائل قبطی کو قرار دیا ہے[٩] اور فاضل نظم نگار نے بھی اُن کے تتبع میں یہ قول قبطی ہی کا قرار دیا ہے۔[١٠] الغرض فاضل نظم نگار کے پیشِ نگاہ دیگر تراجم بھی ہوں گے، مگر سب سے زیادہ استفادہ سید فرمان علی کے ترجمے سے کیا ہے۔

تسمیہ کا ترجمہ

فاضل مترجم نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معمولی فرق کے ساتھ دو ترجمے کیے ہیں، ایک میں رحم پہلے اور ترس بعد میں، جب کہ دوسرے ترجمے میں ترس پہلے اور رحم بعد میں ہے، ملاحظہ ہو:

بنامِ خدا کرتے ہیں ابتدا — رحم اور ترس کھاتا جو ہے سدا

دوسرا ترجمہ

بنامِ خدا کرتے ہیں ابتدا — ترس اور رحم کھاتا جو ہے سدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ کرتے ہوئے شاعر سے رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ نہیں ہوا، دوسرا جو انھوں نے رحمٰن و رحیم کا ترجمہ کیا ہے، اُس میں فنی اعتبار سے نقص ہے۔ شاعر نے رحم اور ترس دونوں کو نظم میں مفتوح الاوسط باندھا ہے، جب کہ اِن کا درست تلفظ مسکون الاوسط ہے، شعر کو وزن میں رکھ کر پڑھیں تو تلفظ کی حرمت پر حرف آتا ہے اور درست تلفظ کے ساتھ پڑھیں تو شعر وزن سے جاتا ہے۔

حروف مقطعات

حروفِ مقطعات کے معاملے میں سید محسن کا اُسلوب یہ ہے کہ وہ اُن کو نظم کی لڑی میں پروتے ہیں، اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ نظم نگار نے حروف مقطعات کو نظم کا جامہ بھی پہنایا ہے اور اُن کی مزید تقطیع بھی نہیں کی اور نہ ہی اُن کے معنی و مراد متعین کرنے کی کوشش کی ہے، ورنہ اکثر نظم نگار مترجمین نے حروفِ مقطعات کی مزید تقطیع کر دی ہے

اور بعض نے اُن کی مراد متعین کرنے کے لیے دور از کار تاویلیں بھی کی ہیں۔ فاضل نظم نگار نے حروفِ مقطعات کو بجنسہ نظم کا جامہ پہنایا ہے، ملاحظہ ہو:

ہیں جیسے حروفِ الٓمٓ   یہ طٰسٓ ہیں در قرآن حکیم [11]

فاضل نظم نگار یک حرفی حروف مقطعات کے شروع میں حرفِ ندا "اے" لاتے ہیں، اس سے اُن کی کیا مراد ہے، یہ واضح نہیں ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

تو اے صاد کھا کر کہتے ہیں قسم   ہے قرآں برائے نصیحت بہم [12]

دوسرے شعر کا پہلا مصرع بے وزن ہے اور پورا شعر ادائے مفہوم میں مبہم ہے۔

تفسیری ترجمہ

"منظوم اُردو ترجمہ" نام سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ منظوم ترجمہ ہے، لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، بل کہ یہ منظوم تفسیر ہے یا پھر کم از کم اِسے تفسیری ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ نمونے کے طور پر یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [13] کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

تو اب مومنو ہے ضروری یہ بات   مہیا کرو اپنی اعلیٰ صفات
تم اپنے کو محفوظ رکھو ضرور   نہ ہو سیدھے رستے سے تم لوگ دور
چلو گے جو تم سیدھے رستے پہ گر   نتیجے میں اس کے یہ ہوگا اثر
تو وہ جو ہوں گمراہ سب مرد و زن   وہ چلنے لگیں گے تمھارا چلن
تمھارا کوئی اُن سے نقصاں نہیں   سمجھ رکھو اس کو تم اے مومنیں
بالآخر تو تم سب کے سب بالیقیں   پلٹ کر کے جاؤ گے رب کے قریں
تو اس وقت تم کو وہ ربِّ انام   خبردار کردے گا وہ لاکلام
کیا کرتے تھے زندگی میں جو کام   بتادے گا رب تم کو سارے تمام [14]

آیت میں الفاظ کی تعداد سے زیادہ تو مصرعوں کی تعداد ہے، اسے ترجمہ کی بجائے تفسیر کہنا مناسب ہوگا۔ مذکورہ آیت کی تفسیر آٹھ اشعار میں ہونے کے باجود بھی آیت کے مفہوم کے درست ابلاغ سے عاری ہے۔ اس آیت کا راست ترجمہ ہے:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمھارا کچھ نہیں بگڑتا، اگر تم خود راہِ

راست پر ہو، اللہ کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو"(۱۵)

اس نثری ترجمے اور منظوم ترجمے میں فرق محتاجِ بیان نہیں ہے، نظم نگار کا ترجمہ، ترجمہ ہے نہ کوئی عمدہ شاعری، اور نہ ہی زبان و بیان درست ہے۔ پہلا شعر آیت کے کسی جزو کا ترجمہ نہیں ہے، ماسوا "مومنو" کے، "اعلیٰ صفات مہیا کرنا" کوئی بلیغ تعبیر نہیں ہے، کسی اور کو مہیا کرو یا کسی اور سے مہیا کرو، واضح نہیں ہے، دونوں صورتوں میں یہ تعبیر اچھی نہیں ہے۔ دوسرا شعر بھی آیت کے مفہوم مبین کے مقابلے میں مبہم ہے۔ تیسرے شعر کے اوّل مصرعے میں حرفِ جو اور گر کا اکھٹا ہونا زبان و بیان کی رو سے غلط ہے، دونوں حرفِ شرط ہیں، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو موصول کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور حرفِ شرط کے طور پر بھی، یہاں یہ حرفِ شرط کے طور پر ہے، جب کہ "گر" صرف حرفِ شرط کے طور پر آتا ہے۔ بہر حال دونوں کا ایک مصرعے میں مجتمع ہونا، اس کی زبان و بیان اجازت نہیں دیتی۔ اگلے مصرعے میں نتیجے اور اثر میں سے ایک لفظ زائد ہے، دونوں میں سے ایک ہونا چاہیے تھا۔ چوتھے شعر کے پہلے مصرعے میں حرفِ جو اضافی ہے، جو شعر کی روانی کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ دوسرے مصرعے میں "چلن چلنا" محاورے کی غلطی ہے۔ پانچویں شعر میں "اُن" اور "سمجھ رکھو" دونوں بلیغ اُردو کی راہ میں حائل ہیں۔ اس سے اگلے شعر میں حرفِ تو کی طرح بالآخر اور بالیقیں میں سے ایک فالتو ہے۔ ساتویں شعر میں وہ (یعنی رب) کے بعد لا کلام کا لفظ لانا گستاخی کے زمرے میں آتا ہے۔ شاعر اسے بلاشبہ کے معنی میں لانا چاہتے تھے، مگر "وہ" چوں کہ اسم اشارہ ہے، اِس کے بعد لازمی بات ہے کہ مشارٌ الیہ ہو، اس سے یہ جملہ بن رہا ہے کہ وہ رب لا کلام، یعنی وہ ایسا رب ہے کہ جس کا کوئی کلام نہیں ہے۔ یقیناً شاعر نے لا کلام کو مشارٌ الیہ کے طور پر نہیں باندھا، بلاشبہ کے معنی میں برتا ہے، لیکن شعر کی موجودہ بندش سے اس کا مفہوم داغ دار ہو گیا ہے۔ شاعر موصوف اپنے اشعار میں لفظ تو، لا کلام اور سب کے سب وغیرہ جیسے الفاظ کثرت سے لاتے ہیں۔ لا کلام نہ تو شاعری میں برتا جاتا ہے اور نہ ہی نثر میں۔ آخری مصرعے میں بھی سارے اور تمام میں سے ایک کا استعمال صحیح ہے، دونوں کا اکھٹے لانا زبان و بیان کے قواعد سے روگردانی ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے، مابقیہ ترجمے کو اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

مسلکی نمائندگی

فاضل مترجم چوں کہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، مسلکی رنگ اُن کے ترجمے میں بھی نمایاں ہے، آیتِ وضو : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ (۱۶) میں اہل سنت مترجمین کے نزدیک وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ "فَاغْسِلُوْا" سے متعلق ہے اور اس کا عطف "وُجُوْهَكُمْ" پر ہے، اِن کے نزدیک وضو میں غسلِ رجلین فرض ہے، جب کہ اہل تشیع مترجمین اس کو مسح رأس سے متعلق کرتے ہوئے وضو میں مسح رجلین کی فرضیت کے قائل ہیں۔ مولانا سید محمد محسن نے بھی اپنے ترجمے میں مسح رجلین کو فرض قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

تو اے مومنو بات یہ بھی سنو	جو کہتے ہیں تم اس سے غافل نہ ہو
اگر تم کھڑے ہو برائے نماز	تو ہے حکم دیتا تمھیں کارساز
برائے وضو دھولو چہروں کو تم	کرو بعد اس کے یہ تعمیلِ حکم
کہ کہنی سے ہاتھوں تلک دھولو ہاتھ	نہ نیچے سے اوپر کو تم دھونا ہاتھ
تری سے اسی سر کا مسح کرو	تو پیروں کا بھی اس سے مسح کرو
پڑھو بعد اس کے تم اپنی نماز	طہارت ہے یہ شرطِ اوّل نماز(۱۷)

پہلے شعر میں ''اے مومنو'' کے سوا سب حشو وزوائد ہیں، شاعر سے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کا ترجمہ بھی نہیں ہوا۔ ''کہ کہنی سے ہاتھوں تلک دھولو ہاتھ، نہ نیچے سے اوپر کو تم دھونا ہاتھ'' سے شاعر نے اپنے مسلک کی نمائندگی کی ہے، کیوں کہ اہلِ تشیع کے ہاں وضو کا دوسرا فرض ''دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سے لے کر انگلیوں کے سروں تک دھونا ہے''۔(۱۸) عربی میں حرفِ إلیٰ غایت یعنی کسی چیز کی انتہا بیان کرنے کے لیے آتا ہے، کسی چیز کی ابتدا کے لیے حرفِ ''مِنْ'' آتا ہے، شاعر کا مفہوم تبھی درست ہوتا جب قرآن مجید میں من المرافق إلی الیدین ہوتا۔ 'تم' اور 'حکم' قافیہ کی غلطی ہے، یہ دونوں لفظ ہم قافیہ نہیں ہوسکتے، تم میں میم ساکن ما قبل ضمہ ہے اور حکم میں میم موقوف ما قبل ساکن ہے۔ آخری تینوں شعر ردیف تو رکھتے ہیں مگر بے قافیہ ہیں، جو فنی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ شاعر نے آخری سے ما قبل کے شعر میں مسح کو سین مشدّد کے ساتھ نظم کیا ہے، جب کہ اِس کا درست تلفظ سین کے سکون کے ساتھ ہے۔ آخری شعر کا آخری مصرع ''طہارت ہے یہ شرطِ اوّل نماز'' ایک نامکمل جملہ ہے۔

شاعر نے اپنے مسلک کی نمائندگی کرتے ہوئے قرآن مجید میں وارد لفظ ''شِيْعَة'' بہ معنی گروہ، فرقہ، جس کی جمع شِيَعٌ اور اَشْيَاعٌ آتی ہے(۱۹) کا ترجمہ ''شیعہ'' سے کیا ہے، آیت مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ(۲۰)

تو لڑتے ہوئے اُن کو آئے نظر	یہ دو آدمی اک جگہ سر بہ سر
کہ کرتے ہیں دونوں جدال و قتال	عجب لڑتے لڑتے ہے اُن دو کا حال
یہ اک شخص تو اُن کے شیعوں میں تھا	مگر دوسرا قبطی دشمن وہ تھا
جو شیعہ تھا اُس نے پکارا انھیں	مدد کے لیے تھا بلایا انھیں(۲۱)

''شیعہ'' کا ترجمہ اسی لفظ سے کرنا جب کہ اِس وقت یہ ایک معروف مکتبۂ فکر کا نام ہے، اس لفظ کے اطلاق سے ذہن فوراً اس مسلک کی طرف جاتا ہے، نہ کہ گروہ یا جماعت کی طرف، ایسا ترجمہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس مثال میں

تیسرا شعر مردّف ہے، مقفّیٰ نہیں ہے۔ الغرض یہ مسلک شیعہ کا نمائندہ ترجمہ ہے، قرآن مجید کی آیات کی تعبیر وتوضیح میں جہاں جہاں اہل سنت اور اہلِ تشیع مترجمین کے مابین اختلاف ہے، سید محمد محسن اپنے مسلک کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔

ضمائر کے مراجع کے تعیّن میں فروگزاشتیں

قرآن مجید میں وارد ضمائر کے مراجع کی تعیین میں انتہائی حزم واحتیاط، بیدار مغزی اور وسعتِ مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے، تھوڑی سے غفلت مفہوم قرآن میں تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے۔ ضمیروں کے مراجع متعین کرنے میں سید محسن بھی خطا کر بیٹھے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ عنکبوت کی آیت ۲۶ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کا مرقوم الذیل منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو، جہاں شاعر سے ضمیر کے مرجع میں غلطی ہوئی ہے:

تو تصدیق کی لوط نے لاکلام — مصدق وہی اُن کے تھے خاص و عام
انھیں نے جو ملت کا دیکھا یہ حال — تو اُن کا زباں سے ہوا یہ مقال
چلا جاؤں گا چھوڑ کر میں وطن — جہاں پر ہے کہتا وہ ربِّ زمن
نہیں شک ہے اس میں نہیں ہے کلام — بہت رکھتا حکمت ہے ربِّ انام(۲۲)

ان اشعار سے یہ مترشح ہورہا ہے کہ یہ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں وطن چھوڑ کر چلا جاؤں گا، فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، قال کی ضمیر کے مرجع اور اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کے قائل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔(۲۳) اسی طرح فاضل مترجم قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ کَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَکُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ(۲۴) میں قال کے مرجع میں غلطی کھا کر خرابی میں جا پڑے ہیں۔ اِس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

تو قبطی نے موسیٰ سے بڑھ کر کہا — تہیّہ ہلاکت کا میری ہے کیا
اسی طرح جیسے کیا کل ہلاک — کیا اُس کے اہلاک میں کچھ نہ باک
نہیں چاہتے تم ہو اس کے سوا — ہے ظاہر تمھارا یہی مدعا
یہ مقصد ہے جبّار ثابت ہو تم — اسی خیال میں تم بظاہر ہو گم
نہیں چاہتے تم صلح اور ملاپ — جو کہتے ہیں باور کریں اس کو آپ
جو ہیں صلح جو ان میں ہو تم شریک — تمھارا نہیں قصد کہتا ہوں ٹھیک(۲۵)

قال کی ضمیر کا مرجع قبطی نہیں بل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بنی اسرائیلی ہے، جس نے ایک یوم قبل بھی ایک قبطی کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استمداد کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی مدد کی

خاطر قبطی کو ایک مکا مارا، جس سے اُس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ اس واقعے کا چشم دید گواہ یہی بنی اسرائیلی تھا، نہ کہ قبطی۔ تمام مفسرین کے نزدیک درج بالا آیت میں قال کی ضمیر کا مرجع بنی اسرائیلی ہے، کیوں کہ آج پھر جب اُس بنی اسرائیلی سے ایک اور فرعونی کا جھگڑا ہو گیا اور اتفاق سے موسیٰ علیہ السلام وہاں آ پہنچے، پھر اس نے آپ سے مدد چاہی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ واقعے کی وجہ سے اسے برا بھلا کہا اور غصے کا اظہار کیا، باوجود اس کے کہ جب اسرائیلی کی مدد کے لیے فرعونی کے خلاف ہاتھ بڑھایا، تو اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈانٹنے اور غصے کے اظہار کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید میری طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں، اس لیے اُس نے کہا کہ اے موسیٰ! کیا تو مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے، جس طرح تو نے کل ایک آدمی کا قتل کر دیا تھا۔[۲۶] جس طرح نظم نگار کو قال کی ضمیر کے مرجع میں غلط فہمی ہوئی ہے، اسی طرح جو اِن کے پیشِ نگاہ ترجمہ تھا، اُس کے تخلیق کار سید فرمان علی سے بھی یہو سہو ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"تو قبطی کہنے لگا: اے موسیٰ! جس طرح تم نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا (اسی طرح) مجھے بھی مار ڈالنا چاہتے ہو،
تم تو بس یہی چاہتے ہو کہ روئے زمین میں سرکش بن کر رہو اور مصلح (قوم) بن کر رہنا نہیں چاہتے"[۲۷]

قال کی ضمیر کے مرجع کے معاملے سے صرف نظر بھی کر لیں تو بھی نظم نگار مترجم سے ترجمہ نہیں ہوا، فاضل مترجم قرآن مجید کا ایسے ترجمہ کر رہے ہیں جیسے کوئی قصہ گوئی کر رہے ہوں۔ بہت سے الفاظ اور جملے، بل کہ شعر اور مصرعے بھرتی کے ہیں، ان کا متن قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آخری دو اشعار میں تو تناقض ہے، آخر شعر کا پہلا مصرع کہتا ہے کہ اے موسیٰ جو صلح جُو ہیں آپ اُن میں شریک ہو، جب کہ اِس کے ماقبل کے شعر اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ اے موسیٰ تم صلح اور ملاپ نہیں چاہتے ہو۔ ترجمۂ قرآن جس سنجیدگی و متانت کا متقاضی ہے، نظم نگار مترجم نے کماحقہٗ لحاظ نہیں رکھا۔

ناقص ترجمہ

مولانا سید محمد محسن بسا اوقات ایک مختصر آیت کے ترجمے میں چھے چھے آٹھ آٹھ اشعار صرف کر دیتے ہیں اور بعض اوقات آیات یا اُن کے اجزا سے صرفِ نظر کرتے ہوئے انھیں بے ترجمہ چھوڑ دیتے ہیں، اِس افراط و تفریط کی نمائندہ مثال سورۂ نمل کی آیت نمبر ۲۷ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ کو بے ترجمہ چھوڑ دیا ہے، اس آیت کے مقابل خالی جگہ ہے۔ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۱ کے جزو اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

اُسلوبِ بیان سے اعراض

"منظوم اُردو ترجمہ" کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں قرآنی الفاظ و تراکیب اور اُن کی ترتیب و نظم کا بالکل لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تخلیق کار کسی ترجمہ اور تفسیر کا مطالعہ کرتے ہیں، جو مفہوم وہ سمجھتے ہیں، الفاظ کی ترتیب و نظم کا لحاظ رکھے بغیر

اُس کو نظم کا جامہ پہنانے کی اپنے تئیں کوشش کرتے ہیں۔ کہیں ایسا بھی ہے کہ قرآن مجید میں ایجابی اُسلوب اختیار کیا گیا ہے، جب کہ نظم نگار مترجم نے سلبی اُسلوب میں ترجمہ یا تفسیر کی ہے، جس کی نمائندہ مثال آیتِ حدِّ زنا کے جزو وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ [۲۸] کا ترجمہ ہے، ملاحظہ ہو:

بوقت سزا ان کے یہ ہے ضرور — نہ تم منومنوں کو رکھو اس سے دور
ہوں موجود کچھ مومنین کرام — ہے لازم تمھارے لیے یہ مدام
کہ وہ اس سزا کے رہیں سب گواہ — عمل کرنا اس پر ہے حکم الٰہ[۲۹]

ان تین اشعار کو ترجمہ تو قرار نہیں دیا جاسکتا، "مومنوں کو اس سے دور نہ رکھو" یہ آیت کے کس جزو کا ترجمہ ہے۔ اس جزو آیت کا راست ترجمہ ہے: "اور چاہیے کہ اُن کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو"[۳۰] اس مختصر مفہوم کے لیے شاعر نے تین شعر یعنی چھے مصرعے صرف کیے ہیں، اس کا مفہوم ایک مصرعے میں یا کم از کم ایک شعر میں ادا کیا جاسکتا تھا۔ مزید بر آں چھے مصرعے صرف کیے سو کیے، قرآنی اُسلوبِ بیان سے اعراض کیا سو کیا، تو زبان و بیان تو بلیغ ہونی چاہیے تھی۔ یہ اشعار، بل کہ پورا ترجمۂ قرآن مجید کوئی عمدہ اور بلیغ زبان میں نہیں ہے۔ درج بالا مثال میں "منومنوں" سہوِ کتابت ہے، اصل لفظ مومنوں ہے۔ ایک آیت چھوڑ کر اگلی آیت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے کہ جہاں شاعر نے قرآنی اُسلوبِ بیان کا بالکل لحاظ نہیں رکھا، آیت مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَّأُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ[۳۱]

وہ جو عورتیں رکھتی شوہر ہیں سب — تو ان کے لیے منع کرتا ہے رب
رکھو اُن پہ ہرگز نہ تم اتّہام — نہ ہو گر گواہی کا کچھ انتظام
کہ ہوں عورتیں پاک دامن بھی سب — تو اس کے لیے صاف کہتا ہے رب
کہ تہمت جو اُن پر لگائیں اگر — ازاں بعد دعوت میں اپنے ادھر
وہ شاہد جو عادل ہوں لائیں وہ چار — نہ لائیں تو کہتا ہے یہ کرد گار
کہ اسّی انھیں کوڑے مارو ضرور — یہی حکم دیتا ہے ربِّ غفور
نہ اُن کی گواہی کرو تم قبول — کبھی بھی کہ فاسق ہیں سب یہ جہول
ہے جھوٹے یہ دعوے کی ان کے سزا — نہ تھا جو حقیقت انھیں کے کہا[۳۲]

"وہ جو عورتیں رکھتی شوہر ہیں سب" انتہائی مضحکہ خیز ہے، شعر کی موجودہ بندش سے ایک سے زائد شوہر کا مفہوم سمجھ آرہا ہے، "شوہر رکھنا" محاورے کی غلطی ہے؟ دوسرے شعر سے بھی بین السطور دو اور مفاہیم نکل رہے ہیں،

اِتہام کی ممانعت صرف شوہر والی عورتوں سے ہے، جن عورتوں کے شوہر نہیں ہیں اُن پر اِتہام رَوا ہے۔ دوسرا مفہوم جو متبادر ہو رہا ہے کہ گواہی کا انتظام کر کے تہمت لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ العیاذ باللہ دونوں مفاہیم روحِ قرآن کے خلاف ہیں۔ یقیناً شاعر کا ارادہ بھی ایسا نہیں ہو گا، مگر شعر کا موجودہ دروبست اِن مفاہیم کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں محصنہ پر تہمت کا بیان غائب کے صیغوں کے ساتھ کیا گیا ہے، جب کہ فاضل مترجم نے مخاطب کے صیغوں کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ چوتھے شعر کا دوسرا مصرع ''ازاں بعد دعوت میں اپنے ادھر'' بھرتی کا ہے، اس کا نہ ماسبق سے کوئی واسطہ ہے اور نہ مابعد سے کوئی تعلق ہے۔ آخری سے ماقبل کے شعر کا پہلا مصرع اپنے مفہوم کے ابلاغ میں خود کفیل نہیں ہے، ''تم اُن کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو'' کو ایک مصرعے میں ہونا چاہیے تھا۔ اِس قسم کی اغلاط ''منظوم اُردو ترجمہ'' میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ آخری شعر میں زبان و بیان کی اغلاط محتاجِ بیان نہیں ہیں۔

بے سروپا تفسیری ترجمہ

مولانا سید محمد محسن کے ''منظوم اُردو ترجمہ'' میں بعض مقامات ایسے مغلق اور مبہم ہیں کہ اُن سے کوئی واضح مفہوم اخذ کرنا ناممکن نہیں تو ناممکن حد تک مشکل ضرور ہے، جس کی نمائندہ مثال میں سورہ توبہ کی پہلی آیت بَرَآءَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ کا منظوم ترجمہ ملاحظہ کریں:

تو اے مسلمو کون سے جو عہد — کیا تم نے اُن سے تھا پیان و عہد
عہد تم نے جو مسلمو سے کیا — جو مشرک ہیں اُن سے عہد یہ کیا
تو جن سب سے تم نے ہے پیان کیا — تو اس پر خدا نے کرم یہ کیا
برأت کا نامہ انھیں ہے دیا — صلہ مشرکوں کو عہد کا ملا(۳۳)

ان چار اشعار سے کوئی مفہوم اخذ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مترجم اس آیت کا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکے ہیں۔ ان اشعار کو آیت سے الگ کر کے صرف شاعری طور پر بھی پڑھیں تو پھر بھی کوئی واضح مفہوم اخذ نہیں ہوتا۔ آخری شعر سے تو یوں لگ رہا ہے کہ مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی برأت یعنی بیزاری کا اعلان کوئی اچھی چیز ہے، حالاں کہ یہاں مذمت بیان ہو رہی ہے اور اُن سے لاتعلقی کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اب مولانا فرمان علی کا راست ترجمہ ملاحظہ ہو، جو نظم نگار کے پیشِ نظر بھی تھا:

> ''(اے مسلمانو) جن مشرکوں سے تم لوگوں نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا تھا، اب خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ان سے (یک دم) بیزاری ہے'' (۳۴)

بے سروپا شاعری کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے کہ شاعر نے وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ (۳۵) کا ترجمہ عجیب و غریب کیا ہے، کہ قاری کو اس سے کوئی واضح مفہوم اخذ کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے:

جو کاغذ پہ لکھا ہوا اے نبی ۔۔۔ تمھیں ہم ہیں دیتے نہیں ہے نفی(۳۶)

غالباً شاعر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس بات کی نفی نہیں ہے، یعنی یقیناً جو کاغذ پہ لکھا ہوا ہم تمھیں دیتے ہیں، مگر اس مفہوم کو واضح طور پر نظم کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ یہ مفہوم بھی قرآنی آیت کے مدلول سے انحراف ہے، ''نَزَّلْنَا'' کا ترجمہ 'ہم دیتے ہیں'، درست نہیں ہے، معروف ترجمہ تو یہ ہے: ہم نے نازل کیا، ہم نے اُتارا۔ اس جزوِ آیت کا راست ترجمہ ہے: اور اگر اتاریں ہم تجھ پر لکھا ہوا کاغذ میں۔(۳۷)

ان دونوں مثالوں میں فنی اعتبار سے بھی بڑے نقائص ہیں، پہلی مثال کے پہلے مصرعے میں لفظ ''عہد'' کو شاعر نے مفتوح الاوسط باندھا ہے، جب کہ اس کا درست تلفظ مسکون الاوسط ہے۔ دوسرے مصرعے میں اسی لفظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ نظم کیا ہے۔ پہلے تینوں شعر ردیف تو رکھتے ہیں، مگر ہم قافیہ نہیں ہیں۔ دوسری مثال کے شعر میں نبی کا قافیہ نفی لانا فنی غلطی ہے۔ نفی بروزن خفی نہیں ہوتا، اس کا درست تلفظ فا کے سکون کے ساتھ ہے۔

من مانی تفسیر

فاضل مترجم اثنائے ترجمہ بعض ایسے جملے لاتے ہیں، جو متنِ قرآن کے ظاہر کے برعکس ہیں، مثال میں یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ہٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکِ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ(۳۸) کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

تو یوسف تم اعراض اس سے کرو ۔۔۔ مناسب ہے ذکر اس کا تم مت کرو
کہو یہ جو عورت ہے اس سے کہ تو ۔۔۔ طلب کر معافی کہ خاطی ہے تو
سراسر خطاوار تو ہی تو ہے ۔۔۔ کیا بدعمل جس نے تو ہی تو ہے(۳۹)

پہلے شعر کا پہلا مصرع یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا کا ترجمہ ہے، دوسرے مصرعے میں اس کی مزید تفسیر ہے، جب عزیزِ مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور زلیخا کی چال بازی واضح ہو گئی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے گویا ہوئے کہ اے یوسف! اس سے اعراض کرو یعنی اس معاملے کو رفع دفع کرو اور زلیخا سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک خطا تیری ہی ہے۔ یہی ترجمہ مولانا فرمان علی نے کیا ہے، ملاحظہ ہو:

''(اور یوسف سے کہا) اے یوسف اس کو جانے دو اور (عورت سے کہا کہ) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، کیوں کہ بے شک تو ہی از سر تا پا خطاوار ہے'' (۴۰)

سید محمد محسن کے ترجمے سے یہ متبادر ہو رہا ہے کہ عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اِس عورت سے کہو کہ وہ اپنے خطا کی معافی طلب کرے۔ اس مفہوم کی عربیت اجازت دیتی ہے نہ کسی مفسر یا مترجم نے یہ مفہوم بیان کیا ہے، یہ محض شاعر کی اپنی تخیل آرائی ہے۔ زلیخا کے لیے خاطی کا لفظ درست نہیں ہے۔ ''خاطی'' مذکر کا صیغہ ہے، جب کہ مؤنث کے لیے ''خاطئہ'' کا لفظ ہے۔

غلط ترجمہ

مولانا سید محمد محسن کے "منظوم اُردو ترجمہ" میں "غلط ترجمہ" کی مثالیں بڑی کثرت سے ہیں، آیت کا مدلول ومنطوق کچھ اور ہے اور نظم نگار نے مفہوم کچھ اور نظم کیا ہے۔ اس کی واضح مثال اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۴۱) کا ترجمہ نظم کرتے ہوئے "اَبْنَآءَھُمْ" کا ترجمہ "رسولوں" کیا ہے۔ "ابناء" ابن کی جمع ہے اور اس کے معنٰی ہیں بیٹا۔ ملاحظہ ہو:

عطا کی کتاب ہم نے جن کو وہ سب — ہیں پہچانتے تم کو شاہِ عرب
رسولوں کو جیسے ہیں یہ جانتے — اسی طور تم کو ہیں پہچانتے
پڑھیں گے یہ کلمہ نہ ایمان کا — کہ جن سب نے اپنے کو ضائع کیا (۴۲)

یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بابت اِس طرح معرفت رکھتے ہیں، جس طرح اپنی اولاد کی بابت رکھتے ہیں، جس طرح اپنے بیٹے کی معرفت اور پہچان کرنے میں کسی کو دقت اور دشواری نہیں ہو سکتی، اسی طرح ان لوگوں پر سرکارِ دوعالم ﷺ کا اللہ کا آخری نبی ہونا بھی مخفی نہیں ہے، اتنا ہی ظاہر باہر ہے، جتنا کوئی اپنی اولاد کو جانتا پہچانتا ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کی خصال وصفات کا ذکر اُن کی کتابوں میں موجود تھا، اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ (۴۳) "جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں"۔ نظم نگار کا بیان کردہ مفہوم مقتضائے آیت کے خلاف ہے۔ یہی مضمون سورۂ بقرہ میں بھی بیان ہوا ہے، وہاں بھی فاضل نظم نگار آیت کا راست مفہوم نظم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ آیت مع منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ (۴۴)

تو وہ لوگ جن کو کتاب ہم نے دی — ہیں اس امر سے واقف ان میں سبھی
کہ جس طرح سے اُن کے بیٹے تمام — بہر کیف واقف تھے سب لاکلام
انھیں میں فریق ایک ایسا بھی تھا — چھپاتا تھا حق بات کو برملا
یہ اس پر کہ یہ لوگ جتنے بھی تھے — یہ حق بات کو خود سمجھتے بھی تھے (۴۵)

یہاں "ابناء" کا ترجمہ اگرچہ "بیٹے" کیا ہے، مگر یہاں بھی مفہومِ قرآن کو بدل دیا ہے۔ آیت کے اقتضا کے برعکس یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جس طرح وہ پہچانتے ہیں، اسی طرح اُن کے بیٹے بھی جانتے ہیں۔ شاعر پہلی مثال میں اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ کا ترجمہ کرنے میں نارسا رہے ہیں اور زبان وبیان بھی درست نہیں ہے۔ اس جزوِ آیت کا راست ترجمہ ہے: "جنھوں نے اپنے تئیں نقصان میں ڈال رکھا ہے، وہ ایمان نہیں لاتے" (۴۶)

دوسری مثال میں پہلے دو شعر معنوی تحریف، جب کہ دوسرے دو شعر شاعر کی عربی سے ناشناسی کو ظاہر کر رہے ہیں۔

غلط ترجمے کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے کہ شاعر موصوف نے سورۂ نمل کی آیت نمبرے کے جزو اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَہْلِہٖ میں اہل کا ترجمہ ''کارواں'' کیا ہے، ملاحظہ ہو:

کرو یاد وہ وقت بھی تم زرا　　کہا کارواں سے جو موسیٰ نے تھا(۴۷)

''کارواں'' کا اطلاق تو افراد کی ایک کثیر تعداد پر مشتمل قافلے پر ہوتا ہے۔ مفسرین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین سے مصر کی طرف واپسی کے وقت پیش آیا، جب وہ راستہ بھٹک گئے تھے اور انھیں ایک آگ دکھائی تھی، جو در حقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے نور کی تجلی تھی، اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صرف اُن کی اہلیہ تھیں۔(۴۸) صرف اہلیہ کے لیے کارواں کا اطلاق قطعاً درست نہیں ہے۔ فاضل مترجم نے لفظ ''ذرا'' اکثر مقامات پر زا کے ساتھ لکھا ہے، حالاں کہ اس کا درست املا ذال کے ساتھ ہے۔ غلط ترجمے کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے کہ جہاں نظم نگار نے قرآن مجید کے مدلول کے بالکل برعکس ترجمہ کیا ہے۔ آیت مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فَاسِقِیْنَ(۴۹)

تو ہاتھ اب گریباں میں داخل کرو　　یہ ہے فعل بہتر اسے تم کرو
گریباں سے اس کو نکالو گے جب　　تو تم اس کو دیکھو گے اس وقت تب
چمکتا ہوا آئے گا وہ نظر　　نہ پاؤ گے عیب اُس میں کچھ راہبر
تمھیں ساتھ لو معجزوں کے مزید　　عطا کرکے دو معجزات جدید
نہیں بھیجتے ہم ہیں اب لاکلام　　طرف اس کے جس کا ہے فرعون نام
جو ہے قومِ فرعون فاسق تمام　　ہے اس میں بھی بھیجا تمھیں لاکلام(۵۰)

پہلے شعر کا پہلا مصرع وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ کا ترجمہ ہے، واؤ عاطفہ کا ترجمہ ''تو'' سے کیا گیا ہے۔ دوسرا مصرع آیت کے کسی جزو کا ترجمہ نہیں ہے، بل کہ زائد ہے اور محض تکمیل شعر کے لیے ہے۔ اس شعر میں ''کرو'' تو ردیف بن رہا ہے، داخل اور تم کبھی ہم قافیہ نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے شعر کے آخری مصرعے بھی محض تکمیل شعر کے لیے ہیں۔ آخری تین شعر فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فَاسِقِیْنَ کا ترجمہ یا تفسیر ہیں، جو کہ قرآنی مدلول کے بالکل برعکس ہے۔ یہ جزو آیت جملہ مستانفہ ہے، یعنی نحوی اعتبار سے نئے جملے کا آغاز ہو رہا ہے، اس سے پہلے محذوف ہے، تقدیر عبارت ہوگی: مرسل أنت بهن إلى فرعون ''تو ان معجزات کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا جانے والا ہے''۔ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ کے قرینے کی وجہ سے ''مرسل'' کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے(۵۱)، یا فِیْ

تِسۡعِ اٰیٰتٍ فعلِ محذوف ''اذھب'' سے متعلق ہو گا، اِس صورت میں ترجمہ ہو گا: (اے موسیٰ) آپ اِن نو معجزات کے ساتھ فرعون اور اُس کی قوم کی طرف جایئے۔ (۵۲) فاضل نظم نگار نے اس جزوِ آیت کا جو تفسیر نما ترجمہ دیا ہے، اُس سے یہ مفہوم اخذ ہو رہا ہے کہ اے موسیٰ! ہم آپ کو فرعون کی طرف نہیں بھیجتے، بل کہ قوم فرعون کی طرف بھیجتے ہیں جو تمام کی تمام فاسق ہے۔ یہ مفہوم جہاں مترجم کی عربی زبان سے ناشناسی کو آشکار کر رہا ہے، وہاں یہ قرآن مجید میں معنوی تحریف کے زمرے میں بھی آتا ہے۔

''تمھیں ساتھ لو معجزوں کے مزید'' میں ''لو'' شاید ''نو'' ہے، یہ سہو کتابت ہے، مترجم کی رائے میں عصا اور ید بیضا یہ مجملہ اُن نو معجزات میں سے دو نہیں ہیں، بل کہ یہ دو معجزات اُن نو کے علاوہ ہیں۔

غیر سنجیدگی کا مظاہرہ

نظم نگار کی غیر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ اُردو ترجمے میں املا کی اغلاط کی کثرت کے ساتھ متن قرآن میں بھی املائی اغلاط وافر مقدار میں موجود ہیں، متن قرآن کی حروف خوانی جس ہوش مندی اور بے دار مغزی کا تقاضا کرتی تھی، اس کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَo بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌo وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (۵۳) کو ''يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَتْ اَخَّرَo بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى بَصِيْرَةٌo وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاْزِيرَهٗ'' لکھا ہے۔ (۵۴) ان آیات کے متن کے ساتھ اِن کے مفہوم میں بھی غیر ذمے داری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

تو انساں نے جو پہلے پچھلے کیا — اسے سب وہ بتلادیا جائے گا
ہے انسان خود اپنے اوپر گواہ — سب اُن پر جو اس نے کیے ہیں گناہ
تو پھر سارے عصیاں کی وہ معذرت — کرے جس قدر رکھتا ہے مقدرت (۵۵)

پہلا شعر مبہم بھی ہے اور زبان و بیان کی رو سے غلط بھی، پہلے پچھلے سے کیا مراد ہے؟ اُسے کیا بتلادیا جائے گا؟ شاعر اظہار مافی الضمیر میں ناکام رہے ہیں۔ پہلے پچھلے اور کیا میں عدم مطابقت ہے، جو مخفی نہیں ہے، ''جو پہلے پچھلے کیے'' ہوتا یا پھر ''جو پہلا پچھلا کیا'' ہوتا۔ تینوں شعر اپنے اظہارِ مدعا میں واضح نہیں ہیں۔

ردیف قافیہ سے ناآشنا شاعری

''منظوم اُردو ترجمہ'' میں بہت سے اشعار صرف ردیفوں سے بنائے گئے ہیں، وہ بے قافیہ ہیں، حالاں کہ اہلِ فن کے نزدیک شعر کا مقفّٰی ہونا ضروری ہے، مردّف ہونا ضروری نہیں ہے۔ اِس ترجمے میں غیر مقفّٰی مردّف اشعار کا کثرت سے ہونا شاعر کی فنی پختگی پر سوالیہ نشان لگاتا ہے۔ اسی طرح قافیہ بندی میں بھی اغلاط کثرت سے پائی جاتی ہیں، جو شاعر کی قافیہ ردیف سے ناآشنائی کی علامت ہیں۔ اس بات کے امکان کو بھی ردّ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ فاضل نظم نگار

ردیف ہی کو قافیہ سمجھتے ہوئے مطمئن ہو جاتے ہوں، چوں کہ جہاں بھی ردیف لائے ہیں، وہاں قافیہ نہیں لائے، الّا یہ کہ اتفاقی طور پر کوئی الفاظ ہم قافیہ ہو گئے ہوں تو ہو گئے ہوں، ورنہ اُن میں بھی شاعر کے ارادے کا عمل دخل نہیں لگتا۔ اس قسم کی مثالیں پیچھے کثرت سے آچکی ہیں، کہیں تو قافیہ ردیف کی غلطی کی نشان دہی کی گئی ہے اور کہیں دوسرا معاملہ اہم ہونے کی وجہ سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔

حاصلِ بحث

''منظوم اُردو ترجمہ'' میں ہر قسم کی اغلاط پائی جاتی ہیں، مترجم نے قرآنی الفاظ و تراکیب اور ترتیب و نظم کا ادنیٰ سا بھی خیال نہیں رکھا۔ ترجمے پر قصہ گوئی کا اُسلوب غالب ہے۔ اوّل تو ترجمے کا دعویٰ ہے، اسی تناظر میں اس کو پرکھنا چاہیے، لیکن اگر اِس کو تفسیر بھی تصور کر لیں، تو بھی یہ کوئی عمدہ تفسیر نہیں ہے۔ اِس میں بہت سے مقامات پر قرآنی مدلولات کے بالکل برعکس مفہوم نظم کیا گیا ہے اور اِس کا دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ شاعر ضمائر کے مراجع کے تعیّن میں جا بہ جا خطا کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مراجع کی تعیین کی اغلاط دیگر تمام منظوم ترجموں کی نسبت ''منظوم اُردو ترجمہ'' میں زیادہ ہیں۔ آیتوں یا اُن کے اجزا سے فروگزاشتیں بھی تعداد میں کم نہیں ہیں۔ ایسے اشعار بھی صفحہ بہ صفحہ نظر آتے ہیں کہ قاری اُن سے کوئی مفہوم اخذ کرنے سے قاصر رہتا ہے، بالکل بے سروپا شاعری ہے۔ شاعر موصوف قافیہ ردیف کی مبادیات سے بھی واقف نہیں ہیں، ہر صفحے پر آٹھ دس اشعار ایسے ہیں جن میں صرف ردیف سے کام چلایا گیا ہے، ان میں قافیہ نہیں ہے۔

اس ترجمے کو متنِ قرآن سے علاحدہ کر کے صرف شاعری کے طور پر بھی پڑھیں اور حظ حاصل کرنا چاہیں تو نامراد رہتے ہیں۔ اِس میں زبان و بیان کی مبادیات کی غلطیاں ہیں، باوجودیکہ مترجم لکھنوی پس منظر رکھتے ہیں۔ ایک وہ دور تھا کہ لکھنؤ کو اُردو زبان کا اُم القریٰ سمجھا جاتا تھا، دہلی اور الٰہ باد کے ساتھ ساتھ اس شہر کی آغوش میں اُردو پلی بڑھی اور جوان ہوئی ہے۔ اِس سرزمین کے ایک سپوت سے اُردو زبان و بیان کی اس قدر اغلاط ہوں گی، اس کی توقع نہ تھی۔ بلوچستان، خیبر پختون خوا، سندھ، آسام اور بنگلہ دیش کا کوئی شخص اُردو کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرتا تو بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن لکھنو کا فرزند ایسا کرے گا، اس کا تصور بھی محال تھا۔

حوالہ جات

۱۔ نعمانی، رئیس احمد، ڈاکٹر، قرآن پاک کے منظوم تراجم یا کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ، گوشۂ مطالعاتِ فارسی، علی گڑھ، ۲۰۱۳ء/ ۱۴۳۴ھ، ص ۴
۲۔ محمد محسن، سید، مولانا، منظوم اُردو ترجمہ، مطبع نظامی، لکھنؤ، ۱۹۸۶ء، ص ۴
۳۔ جوناگڑھی، محمد، مولانا، قرآن کریم مع اُردو ترجمہ و تفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ، ۱۴۱۹ھ، ص ۱۰۷۳
۴۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر (م: ۳۱۰ھ)، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط: ۱، ۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء، ج ۱۹، ص ۵۴۱
۵۔ فرمان علی، حافظ، مولانا، القرآن الحکیم مترجم، عمران کمپنی، لاہور، س ن، ص ۶۱۷
۶۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص ۵۹۰
۷۔ القصص ۲۸: ۱۹
۸۔ ابن کثیر، ابو الفدا اسماعیل ابن کثیر (م: ۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامہ، دار طیبہ، بیروت، ط: ۲، ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء)، جزو ۶، ص ۲۲۵
۹۔ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، ص ۶۱۷
۱۰۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص ۵۹۰
۱۱۔ ایضاً، ص ۵۷۳
۱۲۔ ایضاً، ص ۶۹۲
۱۳۔ المائدہ ۵: ۱۰۵
۱۴۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص ۱۷۰
۱۵۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ط: ۴۰، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۳۲۷
۱۶۔ المائدہ ۵: ۶
۱۷۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص ۱۴۸
۱۸۔ نقوی، السید منظور حسین، تحفۃ العوام، افتخار بک ڈپو، لاہور، س ن، ص ۶۳
۱۹۔ فضل الرحمن، سید، معجم القرآن، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، س ن، ص ۲۷۹
۲۰۔ القصص ۲۸: ۱۵
۲۱۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص ۵۹۰
۲۲۔ ایضاً، ص ۶۰۸
۲۳۔ الزمخشری، جار اللہ، ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد (م: ۵۳۸ھ)، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون

الاقاویل فی وجوہ التاویل، دار الکتاب العربی، بیروت ، ط:۳، ۱۴۰۷ھ، ج۳، ص۴۵۱؛ بغوی، محی السنہ، ابو محمد حسین بن مسعود (م: ۵۱۰ھ)، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن المعروف بہ "تفسیر البغوی"، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ، ط: ۱، ۱۴۲۰ھ، ج۶، ص۲۳۸

۲۴۔ القصص ۲۸: ۱۹

۲۵۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۵۹۰- ۵۹۱

۲۶۔ بغوی، تفسیر البغوی، ج۶، ص۱۹۸؛ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج۶، ص۲۲۵؛ ابو سعود العمادی الحنفی، محمد بن محمد بن مصطفی (م: ۹۸۲ھ)، إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم المعروف بہ تفسیر أبی سعود، تحقیق: عبد القادر احمد عطا، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض، س ن، ج۴، ص۲۹۸

۲۷۔ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، ص۶۱۸-۶۱۷

۲۸۔ النور ۲۴: ۲

۲۹۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۵۳۰

۳۰۔ جالندھری، فتح محمد، مولانا، فتح الحمید، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور۔ کراچی ، س ن، ص۵۶۶

۳۱۔ النور ۲۴: ۴

۳۲۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۵۳۱-۵۳۰

۳۳۔ ایضاً، ص۲۷۲

۳۴۔ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، ص۲۹۷

۳۵۔ الانعام ۶: ۷

۳۶۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۱۷۵

۳۷۔ محمود حسن، شیخ الہند، مولانا، ترجمہ القرآن الحکیم، تفسیر: مولانا شبیر احمد عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، س ن)، ص۱۷۰

۳۸۔ یوسف ۱۲: ۲۹

۳۹۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۳۵۷

۴۰۔ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، ص۳۷۹

۴۱۔ الانعام ۶: ۲۰

۴۲۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۱۷۷

۴۳۔ الاعراف ۷: ۱۵۷

۴۴۔ البقرۃ ۲: ۱۴۶

۴۵۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۲۸

۴۶۔ جالندھری، فتح الحمید، ص۲۰۹

۴۷۔ ایضاً، ص۵۷۳

۴۸۔ المراغی، احمد بن مصطفی (م:۱۳۷۱ھ)، **تفسیر المراغی**، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ط:۱، ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء، ج۱۹، ص۱۲۲؛ الزمخشری، **الکشاف**، ج۳، ص۳۴۹

۴۹۔ النمل ۲۷: ۱۲

۵۰۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۵۷۵-۵۷۴

۵۱۔ طبری، تفسیر الطبری، ج۱۹، ص۴۳۵

۵۲۔ الزمخشری، الکشاف، ج۳، ص۳۵۱

۵۳۔ القیامہ ۷۵: ۱۵-۱۳

۵۴۔ محمد محسن، منظوم اُردو ترجمہ، ص۸۸۶

۵۵۔ ایضاً